میں ہی مدینہ میں مرا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا مگر پھر بھی ہمارے مسلمان بھائی اپنی ضد سے باز نہیں آتے بھائیو!!! اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں (۱) ایک تو مسیح بن مریم کا آخری زمانہ میں جسم خاکی کے ساتھ آسمان سے اُترنا سو اس ٹانگ کو تو قرآن شریف اور نیز بعض احادیث نے بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے کی خبر دیکر توڑ دیا۔

(۲) دُوسری ٹانگ دجّال معہود کا آخری زمانہ میں ظاہر ہونا تھا سو اُس
ص۲۲۵ ٹانگ کو صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی متفق علیہ حدیثوں نے جو صحابہ کبار کی روایت سے ہیں دو ٹکڑے کر دیا۔ اور ابن صیاد کو دجّال معہود ٹھہرا کر آخر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر کے مار بھی دیا۔ اب جبکہ اس بحث کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں تو پھر اب تیرہ سو برس کے بعد یہ مُردہ جس کے
ص۲۲۶ دونوں پیر نہیں کیوں اور کس کے سہارے سے کھڑا ہو سکتا ہے؟

اتقوا اللہ ! اتقوا اللہ ! اتقوا اللہ

اور مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے کے بارہ میں ہمارے پاس اس قدر یقینی اور قطعی ثبوت ہیں کہ انکے مفصل لکھنے کے لیے اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ پہلے قرآن شریف پر نظرِ غور ڈالو اور ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ کیونکر وہ صاف اور بین طور پر عیسٰی بن مریم کے مرجانے کی خبر دے رہا ہے جس کی ہم کوئی بھی تاویل نہیں کر سکتے مثلاً یہ جو خدائے تعالےٰ قرآن کریم میں حضرت عیسٰی کی طرف سے فرماتا ہے فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم کیا ہم اس جگہ توفّی سے نیند مراد لے سکتے ہیں؟ کیا یہ معنے اس جگہ موزوں ہوں گے کہ جب تو نے مجھے سُلا دیا اور میرے پر نیند غالب کر دی تو میرے سونے کے بعد تو ان کا نگہبان تھا

ہرگز نہیں بلکہ توفّی کے سیدھے اور صاف معنے جو موت ہے وہی اس جگہ چسپاں ہیں لیکن موت سے مُراد وہ موت نہیں جو آسمان سے اُترنے کے بعد پھر وارد ہو کیونکہ جو سوال اُن سے کیا گیا یعنی ان کی اُمّت کا بگڑ جانا اس صہ۲۴۷ وقت کی موت سے اس سوال کا کچھ علاقہ نہیں۔ کیا نصاریٰ اب صراطِ مستقیم پر ہیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ جس امر کے بارے میں خدائے تعالیٰ نے عیسٰی بن مریم سے سوال کیا ہے وہ امر تو خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی کمال کو پہنچ چکا ہے۔

ماسوا اس کے حدیث کی رُو سے بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کا فوت ہو جانا ثابت ہے چنانچہ تفسیر معالم کے صفحہ ۱۶۲ میں زیرِ تفسیر آیت یا عیسٰے اِنِّی مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ لکھا ہے کہ علی بن طلحہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اِنِّی مُمِیْتُكَ یعنی میں تجھ کو مارنیوالا ہوں اسپر دوسرے اقوال اللہ تعالےٰ کے دلالت کرتے ہیں قل یتوفٰکم ملك الموت۔ الّذین یتوفّٰھم الملٰئکۃ طیّبین الذین تتوفّٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم غرض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسٰے فوت ہو چکے ہیں اور ناظرین پر واضح ہو گا کہ حضرت ابن عباس قرآن کریم کے سمجھنے میں اوّل نمبر والوں میں سے ہیں اور اس بارے میں ان کے حق میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا بھی ہے۔

صہ۲۴۸ پھر اسی معالم میں لکھا ہے کہ وہب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عیسٰے تین گھنٹہ کے لیے مر گئے تھے اور محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ نصاریٰ کا یہ گمان ہے کہ ساٹھ گھنٹہ تک مرے رہے مگر مؤلف رسالہ ہذا کو تعجب ہے کہ محمد بن اسحٰق نے سات گھنٹہ تک مرنے کی نصاریٰ کی کن کتابوں سے روایت لی ہے کیونکہ تمام فرقے نصاریٰ کے اسی قول پر متفق نظر آتے ہیں کہ تین دن تک حضرت عیسٰی مرے رہے اور پھر قبر میں سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ اور چاروں انجیلوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عیسٰے انجیلوں میں اپنی تین دن کی موت کا اقرار بھی کرتے ہیں بہر حال موت ان کی ثابت ہے اور ماسوا ان دلائل متذکرہ کے یہود و نصاریٰ کا بالاتفاق ان کی موت پر اجماع ہے اور تاریخی ثبوت بتواتر ان کے مرنے پر شاہد ہے۔ اور پہلی کتابوں میں بھی بطور پیشگوئی ان کے مرنے کی خبر دی گئی تھی۔

اب یہ گمان کہ مرنے کے بعد پھر ان کی رُوح اُسی جسمِ خاکی میں داخل ہو گئی اور وہ جسم زندہ ہو کر آسمان کی صہ۲۴۹ طرف اُٹھایا گیا یہ سراسر غلط گمان ہے یہ بات بالاتفاق جمیع کتبِ الٰہیہ ثابت ہے کہ انبیاء و اولیاء مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں یعنی ایک قسم کی زندگی انہیں عطا کی جاتی ہے جو دُوسروں کو نہیں عطا کی جاتی اسی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ مجھے قبر

لہ حاشیہ:۔ قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک جس جس جگہ توفّی کا لفظ آیا ہے اُن تمام مقامات میں توفّی کے معنے موت ہی لیے گئے ہیں۔ منہ۔

صنؔ ۲۵ میں میّت رہنے دیگا ٭ اور زندہ کرکے اپنی طرف اُٹھائے گا اور زبور نمبر۱۶ میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام بوحی الٰہی یہ فرماتے ہیں کہ تو میری جان کو قبر میں رہنے نہیں دیگا اور تو اپنے قدوس کو سڑنے نہیں دیگا یعنی بلکہ
صاؔ ۲۵ تو مجھے زندہ کرے گا اور اپنی طرف اُٹھالے گا۔ اسی طرح شہداء کے حق میں بھی قرآن کریم فرماتا ہے:

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

صنؔ ۲۵ یعنی جو لوگ خدائے تعالےٰ کی راہ میں قتل کیے گئے تم اُن کو مُردے نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور انہیں اپنے ربّ کی طرف سے رزق مل رہا ہے۔

ایک اور حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی اور یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ سو برس کے عرصہ سے کوئی شخص زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اسی بناء پر اکثر علماء و فقراء اسی طرف گئے ہیں کہ خضر بھی فوت ہو گیا کیونکہ مخبر صادق کی کلام

٭ حاشیہ :۔ اصل ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ میری عزّت خدائے تعالیٰ کی جناب میں اس سے زیادہ ہے کہ مجھے چالیس دن تک قبر میں رکھے یعنی میں اس مدت کے اندر زندہ ہو کر آسمان کی طرف اُٹھایا جاؤں گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر میں زندہ ہو جانے اور پھر آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی نسبت مسیح کے اُٹھائے جانے میں کون سی زیادتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عیسٰی بن مریم کی حیات حضرت موسیٰ کی حیات سے بھی درجہ میں کمتر ہے۔ اور اعتقاد صحیح جس پر اتفاق سلف صالح کا ہے اور نیز معراج کی حدیث بھی اس کی شاہد ناطق ہے یہی ہے کہ انبیاء بحیات جسمی مشابہ بحیات جسمی دنیاوی زندہ ہیں اور شہدا کی نسبت انکی زندگی
صنؔ ۲۵ اکمل واقوی ہے اور سب سے زیادہ اکمل واقوی واشرف زندگی ہمارے سید و مولیٰ فداہٗ نفسی وابی امی صلے اللہ علیہ وسلّم کی ہے حضرت مسیح تو صرف دُوسرے آسمان میں اپنے خالہ زاد بھائی اور نیز اپنے مرشد حضرت یحییٰ کے ساتھ مقیم ہیں لیکن ہمارے سید و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ مرتبہ آسمان میں جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں تشریف فرما ہیں عند سدرۃ المنتہٰی بالرفیق الاعلیٰ اور اُمت کے سلام وصلوات برابر آنحضرت کے حضور میں پہنچائے جاتے ہیں۔ اللّٰھم صلِ علےٰ سیّدنا محمّدٍ وعلےٰ ال سیّدنا محمّدٍ اکثر مّا صلیت علےٰ احدٍ من انبیائك وبارك وسلّم اور یہ خیال کہ انبیاء زندہ ہو کر قبر میں رہتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ ہاں قبر سے ایک قسم کا تعلق ان کا باقی رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کشفی طور پر اپنی اپنی قبروں میں نظر آتے ہیں مگر یہ نہیں کہ وہ
صاؔ ۲۵ قبروں میں ہوتے ہیں بلکہ وہ تو ملائک کی طرح آسمان میں جو بہشت کی زمین ہے اپنے اپنے مرتبہ کے

ہیں کذب جائز نہیں مگر افسوس کہ ہمارے علماء نے اس قیامت سے بھی مسیح کو باہر رکھ لیا تعجب کہ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی نسبت مسیح کو کیوں زیادہ عظمت دی جاتی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہمارے بھائی مسلمان
۲۵۵ کسی ایسے زمانہ سے کہ جب سے بہت سے عیسائی دین اسلام میں داخل ہوتے ہوں گے اور کچھ کچھ حضرت مسیح کی نسبت اپنے مشرکانہ خیالات ساتھ لاتے ہوں گے اس بیجا عظمت دینی کے عادی ہو گئے ہیں جس کو قرآن شریف تسلیم نہیں کرتا اس لیے خاص طور پر مسیح کی تعریف کے بارے میں ان میں حد موزوں سے زیادہ غلو پایا جاتا ہے انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ کتاب براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثیل قرار دیا اور اور کسی کو علماء میں سے اس بات پر ذرہ رنج دل میں نہیں گذرا اور پھر مثیل نوح قرار دیا اور کوئی رنجیدہ نہیں ہوا اور پھر مثیل یوسف علیہ السلام قرار دیا اور کسی مولوی صاحب کو اس سے غصہ نہیں آیا۔ اور پھر مثیل حضرت داؤد بیان فرمایا اور کوئی علماء میں سے رنجیدہ خاطر نہیں ہوا اور پھر مثیل موسیٰ کر کے بھی اس عاجز کو پکارا تو کوئی فقیہوں اور محدثوں میں سے مشتعل نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ پھر اللہ تعالےٰ نے اس عاجز کو مثیل ابراہیم بھی کہا تو کسی شخص نے ایک ذرہ بھی غیض و غضب ظاہر نہیں کیا اور پھر آخر مثیل ٹھہرانے کی یہاں تک نوبت
۲۵۶ پہنچی کہ بار بار یا احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر مثیل سید الانبیاء و امام الاصفیاء حضرت مقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا تو کوئی ہمارے مفسروں اور محدثوں میں سے جوش و خروش میں نہیں آیا۔ اور جب خدائے تعالےٰ نے اس عاجز کو عیسیٰ یا مثیل عیسیٰ کر کے پکارا تو سب کے شدت طیش اور غضب کی وجہ سے چہرے سُرخ ہو گئے اور سخت درجہ کا اشتعال پیدا ہو کر کسی نے اس عاجز کو کافر ٹھہرا دیا اور کسی نے اس عاجز کا نام ملحد رکھا۔ جیسا کہ **مولوی عبد الرحمٰن صاحب خلف مولوی محمد لکھووالہ** نے **اس عاجز کا نام ملحد رکھا اور جا بجا یہ بھی ذکر کیا کہ یہ شخص بہت خراب آدمی ہے** چنانچہ ایک شخص عبد القادر نام شرقپور ضلع لاہور کے رہنے والے کے پاس بھی یہی ذکر کیا کہ یہ شخص ملحد اور بد مذہب اور خراب

بقیہ حاشیہ۔ موافق مقام رکھتے ہیں۔ اور بیداری میں پاک دل لوگوں سے کبھی کبھی زمین پر آکر ملاقات بھی کر لیتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر اولیاء سے عین بیداری کی حالت میں ملاقات کرنا کتابوں میں بھرا پڑا ہے اور مؤلف رسالہ ہذا بھی کئی دفعہ اس شرف سے مشرف ہو چکا ہے والحمد للہ علیٰ ذٰلک اور حدیث نبوی کا یہ فقرہ کہ میں چالیس دن تک قبر میں نہیں رہ سکتا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اوّل چند روز گو کیسا ہی مقدس آدمی ہو قبر سے اور اس عالم خاکی سے ایک بڑھا ہوا تعلق رکھتا ہے کوئی دینی خدمات کی زیادہ پیاس کی وجہ سے اور کوئی
۲۵۲ اور اور وجوہ سے اور پھر وہ تعلق ایسا کم ہو جاتا ہے کہ گویا وہ صاحب قبر قبر میں سے نکل جاتا ہے ورنہ رُوح تو مرنے کے بعد اسی وقت بلا توقف آسمان پر اپنے نفسی نقطہ پر جا ٹھہرتی ہے۔ منہ

اور ملاقات کے لائق نہیں علاوہ اس کے ان لوگوں نے اشتعال کی حالت میں اسی پر بس نہیں کی بلکہ یہ بھی
چاہا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اس بارہ میں کوئی شہادت ملے تو بہت خوب ہو چنانچہ انہوں نے غصہ
۲۵۵ بھرے دل کے ساتھ استخارے کیے اور چونکہ قدیم سے قانون قدرت خدائے تعالیٰ کا یہی ہے کہ
جو شخص نفسانی تمنا سے کسی امر غیب کا منکشف ہونا چاہتا ہے تو شیطان اس کی تمنا میں ضرور دخل دیتا ہے بجز
انبیاء اور محدثین کے کہ ان کی وحی شیطان کے دخل سے منزہ کی جاتی ہے پس اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰن
صاحب اور ان کے رفیق نیت میاں عبدالحق غزنوی کے استخارہ پر وہ بئس القرین ترت حاضر ہو گیا اور ان کی
زبان پر جاری کرا دیا کہ وہ شخص یعنی یہ عاجز جہنمی ہے اور ملحد ہے اور ایسا کافر ہے کہ ہرگز ہدایت پذیر نہیں ہو گا میں
پوچھتا ہوں کہ کیا علماء کے لیے عندالشرع یہ جائز ہے کہ کسی ایسے مسئلہ میں جو خیر القرون کے لوگ ہی اس پر اتفاق
نہ رکھتے ہوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ثابت نہ ہو ایک ایسے ملہم کی نسبت جو بعض احادیث اور
قرآن کریم امکانی طور پر اس کے صدق پر شاہد ہوں تکفیر کا فتویٰ لگا دیں یہ بات سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں
کہ مثیل موعود ہونے کے بارے میں اس عاجز کا الہام حدیث اور قرآن کے ہرگز مخالف نہیں اور کتب
حدیث کو مہمل اور بیکار نہیں کرتا بلکہ مصدق اور ان کی سچائی کو ظاہر کرنے والا ہے کیا یہ سچ نہیں کہ فرقان کریم
۲۵۶ مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا بیان کر رہا ہے اور دجال معہود کا مر جانا خود صحیح مسلم کی بعض حدیثیں ثابت
کر رہی ہیں پھر قرآن اور بعض حدیث میں تطبیق کرنے کے لیے بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ابن مریم کے
اُترنے سے اس کے مثیل یا کئی مثیلوں کا اُترنا مُراد لیا جاوے پھر جبکہ الہام بھی اسی راہ کی طرف رہنمائی کرے
تو کیا وہ حدیث اور قرآن کے موافق ہوا یا مخالف؟

اب رہا یہ امر کہ کسی نبی کا اپنے تئیں مثیل ٹھہرانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں پس واضح ہو کہ درحقیقت اگر غور
کر کے دیکھو تو جس قدر انبیاء دنیا میں بھیجے گئے ہیں وہ اسی غرض سے بھیجے گئے ہیں کہ تا لوگ ان کے مثیل بننے
کے لیے کوشش کریں اگر ہم ان کی پیروی کرنے سے ان کی مثیل نہیں بن سکتے بلکہ ایسے خیال سے انسان کافر
و ملحد ہو جاتا ہے تو اس صورت میں انبیاء کا آنا عبث اور ہمارا ان پر ایمان لانا بھی عبث ہے قرآن شریف
صاف یہی ہدایت فرماتا ہے اور ہمیں سورۃ فاتحہ ام الکتاب میں مثیل بن جانے کی امید دیتا ہے اور ہمیں تاکید
فرماتا ہے کہ پنج وقت تم میرے حضور میں کھڑے ہو کر اپنی نماز میں مجھ سے یہ دعا مانگو۔ کہ
۲۵۷ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ۔ یعنی اے میرے خداوند

رحمٰن و رحیم ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ ہم آدم صفی اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ شیث نبی اللہ کے مثیل بن جائیں۔
حضرت نوح آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں۔ ابراہیم خلیل اللہ کے مثیل ہو جائیں موسیٰ کلیم اللہ کے مثیل ہو جائیں۔

عیسیٰ رُوح اللہ کے مثیل ہو جائیں۔ اور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے حبیب اللہ کے مثیل ہو جائیں اور دُنیا کے ہر ایک صدیق و شہید کے مثیل ہو جائیں۔ اب ہمارے علماء جو مثیل ہونے کے دعوے کو کفر و الحاد خیال کرتے ہیں اور جس شخص کو الہام الٰہی کے ذریعہ سے اس ممکن الحصول مرتبہ کی بشارت دی جاوے اس کو ملحد اور کافر اور جہنمی ٹھہراتے ہیں۔ ذرا سوچ کر بتلاویں کہ اگر اس آیت کریمہ کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو مَیں نے بیان کیے ہیں تو اور کیا معنے ہیں اور اگر معنے صحیح نہیں ہیں تو پھر اللہ جل شانہٗ کیوں فرماتا ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ
صـ۲۵۸ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی ان کو کہدو کہ اگر تم خدا تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا تعالےٰ بھی تم سے محبت رکھے اور تمہیں اپنا محبوب بنالیوے۔ اب سوچنا چاہیے کہ جس وقت انسان ایک محبوب کی پیروی سے خود بھی محبوب بن گیا تو کیا اُس محبوب کا مثیل ہی ہوگیا یا ابھی غیر مثیل رہا۔ افسوس! ہمارے پُرکینہ مخالف ذرہ نہیں سوچتے کہ طالب مولیٰ کے لیے یہی تو عمدہ اور اعلیٰ خواہش ہے جو اس کو مجاہدات کی طرف رغبت دیتی ہے اور یہی تو ایک زور آور انجن ہے جو تقویٰ اور طہارت اور اخلاص اور صدق اور صفا اور استقامت کے مراتب عالیہ کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے اور یہی تو وہ پیاس لگانیوالی آگ ہے جس سے ظاہر و باطن سالک کا بھڑک اُٹھتا ہے اگر اس مقصد کے حصول سے یاس کلّی ہو تو پھر اس محبوب حقیقی کے سچے طالب جیتے ہی مر جائیں۔ آجتک جس قدر اکابر متصوفین گزرے ہیں اُن میں سے ایک کو بھی اُس میں اختلاف نہیں کہ اس دین متین میں مثیل الانبیاء بننے کی راہ
صـ۲۵۹ کھلی ہوئی ہے جیسا کہ آں حضرت صلعم رُوحانی اور ربّانی علماء کے لیے یہ خوشخبری فرما گئے ہیں کہ

عُلَمَاءُ أُمَّتِيْ كَأَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ

اور حضرت بایزید بُسطامی قدس سرہ کے کلماتِ طیّبہ مندرجہ ذیل جو تذکرۃ الاولیاء میں حضرت فریدالدّین عطّار صاحب نے بھی لکھے ہیں اور دُوسری معتبر کتابوں میں پائے جاتے ہیں اسی بناء پر ہیں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ

مَیں ہی آدم ہوں مَیں ہی شیث ہوں مَیں ہی نوح ہوں مَیں ہی ابراہیم ہوں مَیں ہی موسیٰ ہوں مَیں ہی عیسیٰ ہوں مَیں ہی محمدؐ ہوں صلے اللہ علیہ وسلّم وعلیٰ اخوانہ اجمعین

اور اگرچہ انہیں کلمات کی وجہ سے حضرت بایزید بُسطامی ستر مرتبہ کافر ٹھہرا کر بُسطام سے جو ان کے رہنے کی جگہ
صـ۲۶۰ تھی شہر بدر کیے گئے اور میاں عبدالرحمٰن خلف مولوی محمد کی طرح اُن لوگوں نے بھی بایزید بسطامی کے کافر اور ملحد بنانے میں سخت غلو کیا لیکن اُس زمانہ کے گزرنے کے بعد پھر ایسے معتقد ہو گئے کہ جس کا حد انتہا نہیں اور ان کے شطحیات کی بھی تاویلیں کرنے لگے۔

ایسا ہی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں اس بات کیطرف اشارہ فرماتے ہیں کہ انسان بحالت ترکِ نفس و اطلاق و فنافی اللہ تمام انبیاء کا مثیل بلکہ اُنہیں کی صورت کا ہو جاتا ہے اور اس عاجز کے دوست مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ ۷ جلد ۷ میں جواز و امکان مثلیت کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور اگرچہ اس عاجز کے اس دعوے کی نسبت جو مثیل موعود ہونے کے بارہ میں براہین میں درج ہے اور بتصریح ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبویہ میں اس عاجز کی نسبت بطور پیشگوئی خبر دی گئی ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے کھلے کھلے طور پر کوئی اقرار نہیں کیا لیکن امکانی طور پر تسلیم کر گئے ہیں کیونکہ ان کا اس معرض بیان میں جو بمنصب ریویو صا۶۲ لکھنے کے ان کے لیے ضروری تھا سکوت اختیار کرنا اور انکار اور منع سے زبان نہ کھولنا دلیل قوی اس بات کی ہے کہ وہ اس بات کے بھی ہرگز مخالف نہیں کہ یہ عاجز مجازی اور رُوحانی طور پر وہی مسیح موعود ہے جس کی قرآن اور حدیث میں خبر دی گئی ہے کیونکہ براہین میں صاف طور پر اس بات کا تذکرہ کر دیا گیا تھا کہ یہ عاجز رُوحانی طور پر وہی مسیح موعود ہے جس کی اللہ اور رسول نے پہلے خبر دے رکھی ہے۔ ہاں اس بات سے اُس وقت انکار نہیں ہوا اور نہ اب انکار ہے کہ شاید پیشگوئیوں کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے کوئی اور مسیح موعود بھی آئندہ کسی وقت پیدا ہو مگر فرق اس وقت کے بیان اور براہین احمدیہ کے بیان میں صرف اس قدر ہے کہ اس وقت بباعث اجمال الہام کے اور نہ معلوم ہونے ہر ایک پہلو کے اجمالی طور پر لکھا گیا تھا اور اب مفصل طور پر لکھا گیا۔ بہرحال مولوی صاحب موصوف نے اس عاجز کے مثیل مسیح ہونے کے بارہ میں امکانی ثبوت پیدا کرنے کے لیے بہت زور دیا ہے چنانچہ ایک جگہ وہ محی الدین ابن عربی صاحب کی کلام کو بغرض تائید مطلب ہذا فتوحات مکیہ باب ۳۲۲ سے نقل کرتے ہیں اور وہ عبارت معہ ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

صـ۶۲ غایۃ الوصلۃ ان یکون الشئ عین ماظھر ولا یعرف کما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد عانق ابن حزم المحدّث فغاب احدھما فی الاخر فلم نر الا واحدا وھو رسول اللہ صلعم فھذہ غایۃ الوصلۃ وھو المعبر عنہ بالاتحاد (فتوحات مکیہ) یعنی نہایت درجہ کا اتصال یہ ہے کہ ایک چیز بعینہٖ وہ چیز ہو جائے جس میں وہ ظاہر ہوا اور خود نظر نہ آوے جیسا کہ مَیں نے خواب میں آنحضرت کو دیکھا کہ آپ نے ابو محمد بن حزم محدّث سے معانقہ کیا پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا بجز ایک رسول اللہ صلعم کے نظر نہ آیا۔ پھر بعد اس کے مولوی صاحب موصوف اپنے اس بیان کی تائید میں نواب صدیق حسن مرحوم کی کتاب اتحاف النبلا میں سے ایک عربی رُباعی معہ ترجمہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

تو ھم واشینا بلیل مزارہ | فھم لیسعی بیننا بالتباعد
فعانقتہ حتٰی بحدنا تعانقا | فلما اتانا ما رای غیر واحد

جس کا ترجمہ یہ ہے ہمارے بدگو (رقیب) نے شب کو ہمارے پاس ہمارے معشوق کے آنے کا گمان کیا تو ہم میں جدائی ڈالنے میں کوشش کرنے لگا پس میں نے اپنے معشوق کو گلے سے لگایا پھر وہ (رقیب) آیا تو
صہ۲۶۳ اُس نے بجز مجھ ایک کے کسی کو نہ دیکھا۔ پھر یہ شعر فارسی نقل کیا ہے۔

جذبہ شوق بحدلیست میانِ من و تو | کہ رقیب آمد و نشناخت نشانِ من و تو

اس کے بعد یہ جملہ دعائیہ لکھا ہے رزقنا اللہ من ھذہ الاتحاد فی الدنیا والاخرۃ یعنی خدائے تعالےٰ ہم کو بھی ایسا ہی اتحاد دنیا اور آخرت میں نصیب کرے۔

پھر میں مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے کی نسبت تتمہ کلام بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ گو یا احادیث اور فرقان اور انجیل کی رُو سے مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی فرقان حمید میں رافعك الی کا لفظ بھی تو موجود ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔

اس وہم کا جواب یہ ہے کہ آسمان کا تو کہیں اسجگہ ذکر بھی نہیں اس کے معنے تو صرف اس قدر ہیں کہ میں اپنی طرف تجھے اُٹھا لوں گا۔ اور ظاہر ہے کہ جو نیک آدمی مرتا ہے اس کی طرف رُوحانی طور پر اُٹھایا جاتا ہے کیا خدائے تعالےٰ دُوسرے آسمان پر بیٹھا ہوا ہے جہاں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کی رُوح ہے؟ اور نیز جس حالت میں قرآن شریف اور حدیث کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ فوت ہو گئے ہیں تو پھر اس ثبوت کے بعد رفع سے مُراد جسم کے ساتھ اٹھایا جانا کمال درجہ کی غلطی ہے بلکہ صریح اور بدیہی طور پر
صہ۲۶۴ سیاق و سباق قرآن شریف سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے فوت ہونے کے بعد ان کی رُوح آسمان کی طرف اٹھائی گئی وجہ یہ کہ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ ہر یک مومن جو فوت ہوتا ہے تو اس کی رُوح خدائے تعالےٰ کی طرف اُٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے:

یاأیتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

اے وہ نفس جو خدائے تعالیٰ سے آرام یافتہ ہے اپنے رب کی طرف چلا آ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں اندر آ۔ اس جگہ صاحب تفسیر معالم اس آیت کی تفسیر کر کے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۷۵ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ مومن وفات پانے پر ہوتا ہے تو اس کی طرف اللہ جل شانہٗ دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ کچھ بہشت کا تحفہ بھی بھیجتا

ہے اور وہ فرشتے آکر اس کی رُوح کو کہتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ تو روح اور ریحان اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے
راضی ہے نکل آ۔ تب وہ رُوح مشک کی اس خوشبو کی طرح جو بہت لطیف اور خوش کرنے والی ہو جو ناک میں
ص۲۶۵ پہنچ کر دماغ کو معطر کر دیتی ہو باہر نکل آتی ہے اور فرشتے آسمان کے کناروں پر کہتے ہیں کہ ایک رُوح چلی آتی
ہے جو بہت پاکیزہ خوشبودار ہے۔ تب آسمان کا کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا جو اس کے لیے کھولا نہ جائے۔
اور کوئی فرشتہ آسمان کا ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے لیے دعا نہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ روح پایہ عرش الٰہی تک پہنچ
جاتی ہے تب خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ جہاں اور رُوحیں ہیں وہیں اس کو
بھی لے جا۔

اب قرآن شریف کی اس آیت اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ رُوح
مومن کی اس کے فوت ہونے کے بعد بلا توقف آسمان پر پہنچائی جاتی ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے تو پھر قرآن
شریف کی اس آیت کو کہ یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الیّ ہے یا اس آیت کو کہ بل رفعہ اللّٰہ الیہ سے
اس طرف کھینچنا کہ گویا حضرت عیسیٰ جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے تھے صریح تحکم اور زبردستی ہوگی
کیونکہ جبکہ برطبق روایت ابن عباس وسیاق وسباق کلام الٰہی متوفیک کے معنے یہی ہیں کہ مَیں تجھے ماروں گا
ص۲۶۶ تو پھر صاف ظاہر ہے جیسا کہ ابھی ہم بحوالہ کلام الٰہی لکھ چکے ہیں کہ موت کے بعد نیک بختوں کی رُوح بلا توقف
آسمان کی طرف جاتی ہے۔ یہ تو نہیں کہ فرشتہ ملک الموت رُوح کو نکال کر کئی گھنٹہ تک وہیں کھڑا رہتا ہے۔
اب اگر ہم فرض کے طور پر وہب کی روایت کو قبول کر لیں کہ حضرت عیسیٰ تین گھنٹہ تک مرے رہے یا سات
گھنٹہ تک مُردہ پڑے رہے تو کیا ہم یہ بھی قبول کر سکتے ہیں کہ تین گھنٹہ تک یا سات گھنٹہ تک فرشتہ
ملک الموت اُن کی رُوح اپنی مٹھی میں لے کر اسی جگہ بیٹھا رہا یا جہاں جہاں لاش کو لوگ لے جاتے رہے
ساتھ پھرتا رہا اور آسمان کی طرف اس رُوح کو اُٹھا کر نہیں لے گیا ایسا وہم تو سراسر خلاف نص و حدیث اور مخالف
تمام کتب الہامیہ ہے اور جبکہ ضروری طور پر یہی ماننا پڑا کہ ہر یک مومن کی رُوح مرنے کے بعد آسمان کی طرف
اٹھائی جاتی ہے تو اس سے صاف طور پر کھل گیا کہ رافعک الیّ کے یہی معنے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ فوت ہو
چکے تو اُن کی رُوح آسمان کی طرف اُٹھائی گئی بلاشبہ ہر شخص کا نور قلب اور کانشنس بلا تردد اس بات کو سمجھ
لیتا اور قبول کر لیتا ہے کہ ایک شخص مومن کی موت کے بعد شرعی اور طبعی طور پر یہی ضروری امر ہے کہ اس کی رُوح
ص۲۶۷ آسمان کی طرف اٹھائی جاتے اور اس طریق کا انکار کرنا گویا امہات مسائل دین کا انکار ہے اور نص اور حدیث
سے کوئی ثبوت اس کا نہیں مل سکتا۔ اگر حضرت عیسےٰ حقیقت میں موت کے بعد پھر جسم کے ساتھ اُٹھائے گئے
تھے تو قرآن شریف میں عبارت یوں چاہیے تھی۔ یا عیسےٰ انی متوفیک ثم محییک ثم رافعک مع
جسدک الی السماء یعنی اے عیسیٰ مَیں تجھے وفات دُوں گا پھر زندہ کروں گا پھر تجھے تیرے جسم کے ساتھ آسمان

کی طرف اٹھاؤں گا لیکن اب تو بجز مجرّد رافعک کے جو متوفی کے بعد ہے کوئی دوسرا لفظ رافعک کا تمام قرآن شریف میں نظر نہیں آتا جو شم مجیبک کے بعد ہو اگر کسی جگہ ہے تو وہ دکھلانا چاہیئے۔ میں بدعویٰ کہتا ہوں کہ اس ثبوت کے بعد کہ حضرت عیسٰی فی الحقیقت فوت ہو گئے تھے یقینی طور پر یہی ماننا پڑیگا کہ جہاں جہاں رافعک یا بل رفعہ اللہ الیہ ہے اس سے مراد ان کی رُوح کا اُٹھایا جانا ہے جو ہر یک مومن کے لیے ضروری ہے ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا خیال دل میں لانا سراسر جہل ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تمام نبی خدائے تعالیٰ کی طرف ہی اٹھائے جاتے ہیں۔

صـ۲۶۸ اب ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر چلا گیا تھا قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا صرف بیہودہ اور بے اصل اور متناقض روایات پر اس کی بنیاد معلوم ہوتی ہے مگر اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی امید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اگر افریقہ کے ریگستان یا عرب کے صحرانشین اُمیوں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کے اور وحشی لوگوں کی جماعتوں میں یہ بے سروپا باتیں پھیلائیں تو شاید آسانی سے پھیل سکیں لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل اور تجربہ اور طبعی فلسفہ سے بکلی مخالف اور نیز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے مخالف حدیثیں ثابت ہو رہی ہیں تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز پھیلا نہیں سکتے اور نہ یورپ امریکہ کے محقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کے لغویات سے دست بردار ہو رہے ہیں بطور ہدیہ و تحفہ بھیج سکتے ہیں جن لوگوں کے دل اور دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوتوں میں صـ۲۶۹ ترقی دیدی ہے وہ ایسی باتوں کو کیونکر تسلیم کر لیں گے جن میں سراسر خدائے تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول کی تنسیخ پائی جاتی ہے۔

اسجگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح کا جسم کیساتھ آسمان سے اُترنا اسکے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے۔ لہٰذا یہ بحث بھی کہ مسیح اسی جسم کیساتھ آسمان سے اُتریگا جو دنیا میں اس کو حاصل تھا۔ اس دُوسری بحث کی فرع ہو گی جو مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھایا گیا تھا جبکہ یہ بات قرار پائی تو اوّل ہمیں اس عقیدہ پر نظر ڈالنا چاہیئے جو اصل قرار دیا گیا ہے کہ کہاں تک وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کیونکہ اگر اصل کا کماحقہٗ تصفیہ ہو جائیگا تو پھر اس کی فرع ماننے میں کچھ تامل نہیں ہوگا اور کم سے کم امکانی طور پر ہم قبول کر سکیں گے کہ جبکہ ایک شخص کا جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو گیا ہے تو پھر اسی جسم کے ساتھ واپس آنا اس کا کیا مشکل ہے۔ لیکن اگر اصل بحث قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو سکے بلکہ حقیقت امر اس کے مخالف ثابت ہو تو ہم فرع کو کسی طرح سے تسلیم نہیں کر سکتے اگر فرع صـ۲۷۰ کی تائید میں بعض حدیثیں بھی ہوں گی تو ہم پر فرض ہو گا کہ ان کو اصل سے تطبیق دینے کے لیے کوشش کریں اور اگر برعائت اصل وہ حدیثیں حقیقت پر حمل نہ ہو سکیں تو پھر ہم پر واجب ہو گا کہ انہیں استعارات و مجازات